ماہِ شعبان کے نفل روزوں کی شرعی حیثیت

از: مولانا اشتیاق احمد قاسمی
مدرس دارالعلوم دیوبند

آدمی کے اندر دو صفتیں پائی جاتی ہیں: ایک ''روحانیت''، دوسری ''حیوانیت''؛ پہلی صفت میں انسان ترقی کرکے فرشتوں کے مشابہ ہوجاتا ہے؛ اس لیے اسے ''ملکیت'' سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے اور دوسری صفت میں اضافہ کی وجہ سے انسان عام حیوانوں کے مشابہ ہوجاتا ہے؛ اس لیے اس کو ''بہیمیت'' سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ روزہ کی برکت سے حیوانیت روحانیت کے تابع ہوجاتی ہے، آدمی خواہشات کو دباکر اللہ تعالیٰ کے احکام کا پابند ہوجاتا ہے اور متقین کی صف میں شامل ہوجاتا ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت میں روحانیت اور ملکیت کے بڑھانے کے لیے جہاں فرض روزوں کی تعلیم دی ہے، وہیں نفل روزے رکھے ہیں اور امت کو اس کی ترغیب وتعلیم بھی دی ہے۔

احادیث میں نفل روزوں کی ترغیب

روزہ کی وجہ سے روحانیت میں ترقی ہوتی ہے اور حیوانی وشہوانی قوت ٹوٹتی ہے؛ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرض کے علاوہ نفلی روزہ کثرت سے رکھا کرتے تھے اور صحابۂ کرامؓ کو اس کی ترغیب بھی دیتے تھے، ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

(۱) ''آدمی کے ہر اچھے عمل کا ثواب دس گنے سے سات سو گنے تک بڑھایا جاتا ہے؛ مگر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ روزہ اس عام قانون سے مستثنیٰ ہے، وہ بندہ کی طرف سے خاص میرے لیے تحفہ ہے، اور میں ہی (جس طرح چاہوں گا) اس کا اجر وثواب دوں گا، میرا بندہ میری رضا کے واسطے اپنی خواہشِ نفس اور اپنا کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے (پس میں خود ہی اپنی مرضی کے مطابق اس کی قربانی اور نفس کُشی کا صلہ دوں گا) روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں: ایک افطار کے وقت اور دوسری اپنے مالک ومولیٰ کی بارگاہ میں حضوری اور شرفِ باریابی کے وقت، اور قسم ہے کہ روزہ دار کے منھ کی بو، اللہ کے نزدیک مُشک کی خوشبو سے بھی بہتر ہے اور روزہ (دنیا میں شیطان اور نفس کے حملوں کے لیے

اور آخرت میں دوزخ کی آگ سے حفاظت کے لیے) ڈھال ہے اور جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو اسے بے ہودہ اور فحش باتیں نہیں بکنا چاہیے اور نہ ہی شور وغل کرنا چاہیے اور اگر کوئی دوسرا اُسے گالی دے یا جھگڑے تو کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں‘‘ (بخاری ومسلم بحوالہ معارف الحدیث: ۱۰۵/۴)

(۲) ایک جگہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ہر چیز کی ایک زکوٰۃ ہوتی ہے (جس کے نکالنے سے وہ چیز پاک ہوجاتی ہے) اور جسم کی زکوٰۃ روزہ رکھنا ہے۔ (ابن ماجہ، مشکوٰۃ: ص: ۱۸۰)

(۳) حضرت ابوامامہؓ آپ ﷺ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ: جو آدمی اللہ کے راستے میں (یعنی اللہ واسطے) ایک دن روزہ رہے، اس کے لیے اللہ رب العزت اس کے اور جہنم کے درمیان خندق (گڑھا) کھود دیتے ہیں، جس کی چوڑائی آسمان وزمین کے برابر ہوتی ہے۔ (حاصل یہ کہ اس بندے کا جہنم میں داخل ہونا محال ہے) (ترمذی، مشکوٰۃ: ص: ۱۸۰)

(۴) حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جو آدمی اللہ کے راستے میں (اللہ واسطے) ایک دن روزہ رہے تو اللہ تعالیٰ اس کے چہرے (یعنی جسم) کو جہنم سے ستر سال دور فرمادیں گے۔ (بخاری ومسلم، مشکوٰۃ: ص: ۱۷۹)

(۵) حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ: رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جو آدمی اللہ تعالیٰ کی رضامندی وخوشنودی حاصل کرنے کے لیے ایک دن روزہ رہے اللہ تعالیٰ اس کو جہنم سے اتنا دور فرمادیں گے، جتنا چوزہ ہونے کی عمر سے کھوسٹ بڈھا ہوکر مرنے تک برابر اڑنے والا کوّا دوری طے کرتا ہے۔ (مشکوٰۃ: ۱۸۱)

مذکورہ بالا تینوں (۳،۴،۵) روایتوں میں اللہ کے نبی ﷺ نے روزہ رہنے کی برکت سے جہنم سے چھٹکارہ پانے کی یقینی صورت کو مختلف انداز میں بیان فرمایا ہے، مطلب ایک ہی ہے؛ البتہ اسلوبِ بیان الگ ہے، آسمان وزمین کے برابر خندق کھودنے کا مطلب ہے کہ اس بندے کا جہنم میں داخل ہونا بہت مشکل ہے۔ ’’ستر‘‘ کا عدد عرب اپنے محاورے میں کثرت کے مبالغہ کے لیے بولا کرتے تھے؛ اس لیے ستر سال دوری کا مطلب ہے کہ وہ جہنم سے بہت دور ہوجائے گا۔ ’’کوّا‘‘ کی عمر بڑی لمبی ہوتی ہے، عرب میں لمبی مدت کے لیے کوے کی عمر کو کنایہ اور استعارہ کے طور پر بولتے ہیں، ظاہری بات ہے کہ کوّا اگر اپنے چوزے پن کی حالت میں اڑنے لگے اور کھوسٹ بڈھا ہوکر مرنے تک اڑتا ہی رہے تو کتنی زیادہ مسافت طے کرے گا، اس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا، اسی طرح اللہ ربُّ العزت نفل روزہ رکھنے والے کو جہنم سے اتنا دور فرمادیں گے کہ وہ واپس جہنم میں جا ہی نہیں سکے گا۔

نفل روزوں میں اعتدال

اسلام اعتدال ومیانہ روی کی تعلیم دیتا ہے، نفل عبادتیں اتنی ہی محمود ہیں، جن کے ساتھ آدمی اپنے جسم وجان، عزیز وقریب اور زیردستوں کی پوری ذمہ داری کو بہ حسن وخوبی نبھا سکے، سرکارِ دوعالم ﷺ نے ہم پر شفقت کرتے ہوئے نوافل میں اعتدال کی راہ بتائی؛ اس لیے ہر مہینے میں صرف تین دن روزہ کو صوم الدہر (ہمیشہ روزہ رہنے) کے برابر بتایا، اور مزید قوت وطاقت ہو تو ایک دن روزہ ایک دن فاقہ کرکے نصف ماہ روزہ کی اجازت دی اور قرآن پاک کو مہینہ میں ایک بار ختم کرنے کی تعلیم دی اور اگر ہمت وطاقت ہو تو ہفتہ میں ایک بار ختم کی اجازت دی۔ (مشکوٰۃ: ص: ۱۷۹) اس لیے ہمیں اعتدال کا دامن کبھی نہیں چھوڑنا چاہیے۔

شعبان میں نفل روزے

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نفلی روزے (کبھی) مسلسل رکھنے شروع کرتے یہاں تک کہ ہمیں خیال ہوتا کہ اب ناغہ نہیں کریں گے اور (کبھی) بغیر روزے کے مسلسل دن گذارتے؛ یہاں تک کہ ہمیں خیال ہونے لگتا ہے کہ اب آپ ﷺ بلا روزہ ہی رہیں گے۔ نیز فرماتی ہیں کہ: میں نے رمضان کے علاوہ کسی مہینے کا پورا روزہ رکھتے نہیں دیکھا، اسی طرح کسی مہینے میں شعبان سے زیادہ نفلی روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ (مشکوٰۃ: ۱۷۸) بعض روایتوں میں ہے کہ شعبان کے مہینہ میں بہت کم ناغہ کرتے تھے، تقریباً پورے مہینے روزے رکھتے تھے۔ (الترغیب والترہیب: ۲/۱۱۷)

احادیث کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ نفلی روزوں کے سلسلے میں آپ ﷺ کا کوئی لگا بندھا دستور ومعمول نہیں تھا، کبھی مسلسل روزے رکھتے، کبھی مسلسل ناغہ کرتے؛ تاکہ امت کو آپ ﷺ کی پیروی میں زحمت، مشقت اور تنگی نہ ہو، وسعت وسہولت کا راستہ کھلا رہے، ہر ایک اپنی ہمت، صحت اور نجی حالات کو دیکھ کر آپ ﷺ کی پیروی کرسکے، اسی لیے کبھی آپ ﷺ ایام بیض (۱۳، ۱۴، ۱۵ تاریخوں) کے روزے رکھتے، کبھی مہینے کے شروع میں ہی تین روزے رکھتے، کسی مہینہ میں ہفتہ، اتوار اور پیر کے روزے رکھتے تو دوسرے مہینے میں منگل، بدھ اور جمعرات کے روزے رکھتے، کبھی جمعہ کے روزے کا اہتمام کرتے، اسی طرح عاشورہ اور شوال کے چھ روزے رکھنا بھی آپ ﷺ سے ثابت ہے۔

شعبان کے مہینے میں آپ ﷺ کے کثرت سے روزے رکھنے کی علماء نے کئی حکمتیں بیان کی ہیں:

۱- چوں کہ اس مہینہ میں اللہ رب العزت کے دربار میں بندوں کے اعمال کی پیشی ہوتی ہے؛ اس لیے سرکار ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: میں چاہتا ہوں کہ جب میرے اعمال کی پیشی ہو تو میں روزے کی حالت میں رہوں، یہ بات حضرت اسامہ بن زیدؓ کی روایت میں موجود ہے۔ (نیل الاوطار:۴/۲۴۶)

۲- حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ: پورے سال میں مرنے والوں کی فہرست اسی مہینے میں ملک الموت کے حوالے کی جاتی ہے؛ اس لیے آپ ﷺ یہ چاہتے تھے کہ جب آپ ﷺ کی وفات کے بارے میں ملک الموت کو احکام دیے جائیں تو اس وقت آپ ﷺ روزے سے ہوں۔ (معارف الحدیث:۴/۱۵۵)

۳- رمضان المبارک کے قریب ہونے اور اس کے خاص انوار و برکات سے مناسبت پیدا کرنے کے شوق میں آپ ﷺ شعبان کے مہینہ میں روزے کا اہتمام کثرت سے فرماتے تھے، جس طرح فرض نمازوں سے پہلے سنتیں پڑھتے تھے، اسی طرح فرض روزے سے پہلے نفلی روزے رکھا کرتے تھے اور جس طرح فرض کے بعد سنتیں اور نفلیں پڑھتے تھے؛ اسی طرح رمضان کے بعد شوال میں چھ روزے رکھتے اور اس کی ترغیب بھی دیا کرتے تھے۔

شعبان کے روزے میں آں حضرت ﷺ اور امت کے عمل میں فرق

آپ ﷺ کے بارے میں جیسا کہ معلوم ہوا کہ آپ ﷺ شعبان کے تقریباً پورے مہینے روزہ رکھتے تھے، دوسرے مہینوں کے مقابلے میں اس مہینہ میں اہتمام زیادہ تھا، اسی طرح چوں کہ آپ ﷺ امت پر بڑے شفیق، رؤف اور رحیم تھے؛ اس لیے آپ ﷺ نے امت کو بتایا کہ تم میری ہمسری نہیں کرسکتے، مجھے تم سے زیادہ طاقت دی گئی ہے، اس کے علاوہ مجھے یہ بھی خصوصیت حاصل ہے (یُطْعِمُنِیْ رَبِّیْ وَیَسْقِیْنِیْ) کہ مجھے میرے رب کھلاتے پلاتے رہتے ہیں، مجھے روحانی غذا ملتی رہتی ہے؛ اس لیے تم لوگ شعبان میں روزہ رکھ سکتے ہو؛ لیکن نصف شعبان آتے ہی روزہ رہنا بند کردو پھر جب رمضان آئے تو نئی نشاط کے ساتھ روزہ شروع کرو! (ابن ماجہ:۱/۳۰۳، تحقیق مصطفیٰ اعظمی زیدمجدہ) ترمذی شریف کی ایک روایت میں ہے: إِذَا انْتَصَفَ شَعْبَانُ فَلاَ تَصُوْمُوْا (۱/۱۵۵) جب شعبان کا مہینہ آدھے پر آجائے تو روزہ نہ رہو! (نیز دیکھئے: بلوغ المرام:۱۳۹)

خلاصہ یہ کہ پورے مہینہ یا اکثر دنوں میں روزہ رہنا سرکارِ دوعالم ﷺ کی خصوصیت ہے، ہمارے لیے نصف شعبان تک روزہ رہنا سنت ہے؛ لیکن اس کے بعد روزہ رہنا خلافِ سنت ہے، محدثین نے اس ممانعت کو تنزیہی پر محمول کیا ہے، ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ سرکارِ ﷺ کا یہ حکم امت

پر شفقت کے طور پر ہے تاکہ رمضان المبارک کے فرض روزے رکھنے میں ضعف محسوس نہ ہو؛ بلکہ نشاط، چستی اور حشاش بشاش ہونے کی حالت میں رمضان کا روزہ شروع کیا جا سکے۔ (مرقات)

پندرہویں شعبان کا روزہ

پندرہویں شعبان کے روزے کے سلسلے میں ایک حدیث شریف سنن ابن ماجہ میں ہے، یہ حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اس کو پوری سند کے ساتھ ملاحظہ فرمائیے:

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، قَالَ: أَنْبَأَنَا ابْنُ أَبِي سَبْرَةَ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ''إِذَا كَانَتْ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَقُوْمُوْا لَيْلَهَا وَصُوْمُوْا يَوْمَهَا، فَإِنَّ اللّٰهَ يَنْزِلُ فِيهَا لِغُرُوْبِ الشَّمْسِ إِلَى سَمَاءِ الدُّنْيَا فَيَقُوْلُ: أَلَا مِنْ مُسْتَغْفِرٍ فَأَغْفِرَ لَهُ! أَلَا مُسْتَرْزِقٌ فَأَرْزُقَهُ! أَلَا مُبْتَلًى فَأُعَافِيَهُ! أَلَا كَذَا! أَلَا كَذَا! حَتّٰى يَطْلُعَ الْفَجْرُ'' (سنن ابن ماجه، حديث: ١٣٨٤، ١/٢٥٣، باب ما جاء في ليلةِ النصف من شعبان. تحقيق: مولانا محمد مصطفى الأعظمي زيدَ مجدُه)

ترجمہ: (حافظ ابوعبداللہ محمد بن یزید قزوینیؒ فرماتے ہیں کہ) ہم سے حسن بن علی خلاّل نے بیان کیا کہ ہم سے عبدالرزاق نے بیان کیا کہ ہمیں ابن ابی سبرہ نے خبر دی، وہ اس حدیث کو ابراہیم بن محمد سے بیان کرتے ہیں اور وہ معاویہ بن عبداللہ بن جعفر سے اور وہ اپنے والد سے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جب نصف شعبان کی رات ہو جائے تو اس کی رات کو قیام کرو (نماز پڑھو) اور اس کے دن کو روزہ رکھو؛ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اس رات غروبِ شمس کے وقت آسمانِ دنیا پر نزولِ اجلال فرماتے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں کہ: ہے کوئی معافی مانگنے والا کہ میں اس کو معاف کروں؛ ہے کوئی رزق طلب کرنے والا کہ میں اس کو رزق دے دوں؛ ہے کوئی (مصیبت میں) مبتلا کہ میں اسے اس سے بچادوں؛ ہے کوئی ایسا..... ہے کوئی ایسا..... یہاں تک کہ صبحِ صادق طلوع ہو جاتی ہے۔

اس حدیث شریف میں پندرہویں شعبان کے روزے کا حکم ہے؛ مگر اس حکم کو وجوب یا سنت پر محمول نہیں کیا جا سکتا؛ اس لیے کہ یہ حدیث محدثین کے نزدیک ضعیف ہے، موضوع نہیں ہے؛ اگرچہ اس میں ایک راوی ''ابن ابی سبرہ'' ہیں، ان کے بارے میں امام احمد بن حنبلؒ اور یحییٰ بن معینؒ نے واضعِ حدیث ہونے کی بات کہی ہے، سنن ابن ماجہ کے حاشیہ میں حضرت مولانا

محمد مصطفیٰ الاعظمی زید مجدہ لکھتے ہیں: أسنادُه ضعيفٌ، فيه ابنُ أبى سَبرة، قالَ فيه أحمدُ بنُ حنبلٍ و ابنُ مَعِينٍ: يَضَعُ الحَديثَ. (ج:۱/ص:۲۵۳)

ترجمہ: اس کی سند ضعیف ہے، اس میں ابن ابی سبرہ نامی راوی ہیں، ان کے سلسلے میں امام احمد بن حنبلؒ اور ابن معینؒ فرماتے ہیں کہ وہ حدیث وضع کرتا تھا۔

موضوع نہ ہونے کی وجوہات:

پہلی وجہ: محض ایک راوی کے اوپر وضع کے اتہام سے حدیث کو موضوع نہیں کہا جا سکتا، اگر یہ حدیث موضوع ہوتی تو حافظ منذریؒ اس کو اپنی کتاب ''الترغیب والترہیب'' میں ذکر نہ کرتے؛ اس لیے کہ ان کے سلسلے میں علامہ سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ اگر تمھیں معلوم ہو جائے کہ کوئی حدیث منذریؒ صاحبِ ترغیب وترہیب کی تصانیف میں موجود ہے تو اس کو اطمینان سے بیان کر سکتے ہو (یعنی وہ موضوع نہیں ہو سکتی) (الرحمة المرسَلة فى شأن حديث البسملة: ص:۱۵)

دوسری وجہ: اس کے علاوہ یہ بات بھی قابلِ لحاظ ہے کہ: جن حضرات نے سنن ابن ماجہ کی موضوع احادیث کی نشان دہی کی ہے ان میں اس حدیث کا ذکر نہیں ملتا، ''مَا تَمَسُّ إِلَيهِ الحَاجَةُ'' میں وہ ساری احادیث مذکور ہیں۔ (محدثِ کبیر مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمیؒ بہ حوالہ ''شب براءت کی شرعی حیثیت'' ص:۶)

تیسری وجہ: ابن ابی سبرہ پر جرح شدید ہے، ان کے ضعیف ہونے میں شبہ نہیں؛ تاہم بعض اہلِ علم ایسے بھی ہیں جنھوں نے ان کے بارے میں بلند کلمات کہے ہیں؛ جیسا کہ تاریخ خطیب بغدادیؒ میں ان کے تفصیلی ترجمہ کے ضمن میں موجود ہیں، نیز شیخ محمد طاہر پٹنیؒ نے ان کو قاضی العراق لکھا ہے، جہاں بعض محدثین نے ان کی طرف وضع کی نسبت کی ہے، وہیں بعض نے محض ضعیف کہا ہے۔

لہٰذا قطعی طور پر اس حدیث کو موضوع نہیں کہا جا سکتا، ہاں! ضعیف ضرور کہا جائے گا جس کی صراحت علامہ شوکانیؒ نے اپنی کتاب فوائد المجموعة فى بيان الأحاديث الموضوعة (ص:۲۰) میں کی ہے، اور ضعیف روایتیں فضائل کے باب میں قابلِ قبول ہوتی ہیں۔

خلاصہ یہ کہ پندرہویں شعبان کے روزے کو نہ تو واجب وسنت کہا جا سکتا ہے، نہ ہی بدعت کہہ کر بالکل رد کیا جا سکتا ہے؛ بلکہ اس کو مستحب کہا جائے گا، بعض فقہاء نے مرغوبات (پسندیدہ) روزوں میں شامل کیا ہے؛ جیسا کہ فتاویٰ عالم گیری (۱/۲۰۲) میں ہے اور بعض نے ''مستحب'' کی

تعبیر اختیار فرمائی ہے؛ جیسا کہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند (۶/ ۵۰۰) اور تعلیم الاسلام مفتی کفایت اللہ صاحبؒ (۴/ ۶۶) میں ہے: اس لیے انفرادی طور پر اگر کوئی شخص پندرہویں شعبان کا روزہ رکھے تو اس سے منع نہیں کیا جائے گا؛ بلکہ وہ اس کی برکات کا پانے والا کہلائے گا؛ اس لیے کہ اس کی فضیلت ایک حدیث میں مذکور ہے، جس کی سند ضعیف ہے، اور فضائل میں ضعیف حدیث قابلِ قبول ہوتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ درج ذیل کتابوں میں اس روزہ کا ذکر موجود ہے: أشِعَّةُ اللمعات (ص: ۵۸۸) مطبوعہ نول کشور لکھنؤ، فتاویٰ ہندیہ (۱/ ۲۰۳)، ماثبت بالسُّنة في أيَّامِ السَّنة (ص: ۸۰)، تحفۃ الاحوذی (۲/ ۵۳)، الموعظةُ الحَسَنة للنواب صديق حسن خان (ص: ۱۶۲) مطبوعہ مصر ۱۳۰۰ھ، نصاب اہل خدماتِ شرعیہ (ص: ۳۸۲) منظور محکمۂ صدارتِ عالیہ، مطبوعہ: سلطان بک ڈپو، کالی کمان حیدرآباد، دکن، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند (۶/ ۵۰۰)، بہشتی زیور تیسرا حصہ (ص: ۱۰) تعلیم الاسلام حصۂ چہارم (ص: ۶۶)

محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ نے سنن ابن ماجہ کی مذکورہ بالا حدیث کے موضوع نہ ہونے پر تفصیلی گفتگو فرمائی ہے، ملاحظہ ہو:

> ''پندرہویں شعبان کے روزے کے باب میں جو حدیث ابن ماجہ میں آئی ہے وہ موضوع نہیں ہے، کسی ماہر حدیث عالم نے اس کو موضوع نہیں کہا ہے، تحفۃ الاحوذی کی عبارت سے اس حدیث کے موضوع ہونے پر استدلال کرنا جہالت ہے، اس حدیث کے راویوں میں ابوبکر بن سبرہ ضرور ہے، اس کی نسبت بے شک یہ کہا جاتا ہے کہ وہ حدیثیں بناتا تھا؛ لیکن اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ زیر بحث حدیث اس کی بنائی ہوئی اور موضوع ہے، محض اس بنیاد پر کہ سند میں کوئی ایسا راوی موجود ہے جو حدیثیں بناتا تھا، کسی حدیث کو موضوع کہہ دینا جائز نہیں ہے، اس سے تو بس اتنا لازم آئے گا کہ حدیث سنداً ضعیف ہے، یہی وجہ ہے کہ جن حضرات نے سنن ابن ماجہ کی موضوع احادیث کی نشاندہی کی ہے ان میں اس حدیث کا ذکر نہیں ملتا، مَا تَمُسُّ إليه الحاجة میں وہ ساری حدیثیں مذکور ہیں، جس کا جی چاہے دیکھ لے۔
> اصولِ حدیث وغیرہ کی مختلف کتابوں میں جگہ جگہ تصریح مل سکتی ہے کہ کسی حدیث کی سند میں کوئی کذّاب یا وضّاع راوی پایا جائے تو محض اتنے سے وہ حدیث موضوع نہیں ہوجائے گی، جب تک کہ دوسری کوئی دلیل اس کے موضوع ہونے پر دلالت نہ کرے،

مثال کے طور پر فتح المغيث :۱/ ۲۵۱ کوملاحظہ کیا جائے ،امام سخاویؒ لکھتے ہیں:

”هٰذَا مَعَ أَنَّ مُجَرَّدَ تَفَرُّدِ الْكَذَّابِ بَلِ الْوَضَّاعِ وَلَوْ كَانَ بَعْدَ الاِسْتِقْصَاءِ وَالتَّفْتِيْشِ مِنْ حَافِظٍ مُتَبَحِّرٍ تَامِ الاِسْتِقْرَاءِ غَيْرُ مُسْتَلْزِمٍ لِذٰلِكَ بَلْ لَا بُدَّ مَعَهُ مِنْ اِنْضِمَامِ شَيْءٍ مِمَّا سَيَأْتِيْ“

ترجمہ: ”محض کسی جھوٹے؛ بلکہ وضّاعِ حدیث کا کسی حدیث میں متفرد ہونا اگرچہ اس کا ثبوت کسی متبحر اور دیدہ ور حافظِ حدیث کی تحقیق سے ہوا ہو، اس کو (یعنی حدیث کے موضوع ہونے کو) مستلزم نہیں ہے؛ بلکہ اس کے ساتھ کسی اور دلیل کا انضمام بھی ضروری ہے، جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔“

اسی طرح راوی کو منکر الحدیث اور حدیث کو منکر بھی کہا گیا ہو تب بھی اس کو موضوع کہنا جائز نہیں، حدیث لا تقولوا سورةَ البقرةِ الخ کو امام احمدؒ نے منکر اور اس کے راوی عبیس کو منکر الحدیث کہا ہے، اس بنا پر ابن جوزیؒ نے اس حدیث کو موضوعات میں داخل کردیا تو حافظ ابن حجرؒ نے اس پر سخت اعتراض کیا۔

فرماتے ہیں: أفرط ابن جوزی فی إیراد هذا الحدیث فی الموضوعات، ولم یذکر مستنده إلا قولَ أحمد وتضعیف عبیس وهذا لا یقتضی الوضع (اللآلی المصنوعة: ۱/ ۲۳۹)۔ (ابن جوزی نے اس حدیث کو موضوعات کی قبیل سے شمار کرکے تشدد سے کام لیا ہے، اور دلیل میں سوائے حضرت امام احمدؒ کے قول اور عبیس کی تضعیف کے اور کچھ ذکر نہیں کیا؛ لیکن یہ بات اس کے موضوع ہونے کو مقتضی نہیں ہے)۔

سطورِ بالا سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جس شخص نے یہ بات کہی ہے کہ روایت فضیلتِ صوم شعبان میں ابوبکر بن عبداللہ راوی واضع الحدیث تھا؛ اس لیے یہ روایت موضوع ٹھہری، بالکل غلط ہے۔ ایسی جہالت کی بات کوئی عالم نہیں کہہ سکتا، مولانا عبدالرحمٰن مرحوم کیسے ایسی بات کہہ سکتے ہیں، مولانا تو اس حدیث کو پندرہویں رات کی فضیلت کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں اور اس شخص کے اوپر حجت قائم کرتے ہیں جو یہ کہتا ہے کہ شعبان کی پندرہویں رات کی فضیلت ثابت نہیں۔

تحفۃ الاحوذی کی عبارت بعینہ نقل کی جاتی ہے:

”مِنْهَا حَدِيْثُ عَلِيٍّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: إِذَا كَانَتْ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَقُوْمُوْا لَيْلَهَا وَصُوْمُوْا يَوْمَهَا (إلی) رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ، وَفِيْ

سَنَدِهِ أَبُوبَكْرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِيْ سَبْرَةَ الْقَرَشِيُّ الْعَامِرِيُّ الْمَدَنِيُّ، قِيْلَ: اسْمُهُ عَبْدُ اللّٰهِ، وَقِيْلَ: محمّدٌ، وَقَدْ يُنْسَبُ إِلَىٰ جَدِّهِ، رَمَوه بِالْوَضْعِ كذا فِي التَّقْرِيْبِ، وَقَالَ الذَّهَبِيُّ فِي الْمِيْزَانِ ضَعَّفَهُ الْبُخَارِيُّ وَغَيْرُهُ، وَرَوىٰ عَبْدُ اللّٰهِ وَصَالِحُ ابْنَا أَحْمَدَ عَنْ أَبِيْهِمَا قَالَ: كَانَ يَضَعُ الْحَدِيْثَ، وَقَالَ النَّسَائِيُّ: مَتْرُوْكٌ. انتهىٰ فَهٰذِهِ الأَحاديثُ بِمَجْمُوْعِهَا حُجَّةٌ عَلىٰ مَنْ زَعَمَ أَنَّهٗ لَمْ يَثْبُتْ فِيْ فَضِيْلَةِ لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ شَيْئٌ. (تحفۃ الاحوذی:۲/۵۳)

ترجمہ: انھیں میں سے حضرت علیؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب شعبان کی ۱۵؍تاریخ آئے تو رات میں عبادت کرو اور دن میں روزہ رکھو (الیٰ) اس کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں ابوبکر بن عبداللہ بن ابی سبرۃ القرشی العامری المدنی ہے، ان کا نام لوگوں نے عبداللہ بتایا ہے، بعض لوگوں نے محمد بتایا ہے، اس کی نسبت عموماً ان کے دادا کی جانب ہوتی ہے، لوگوں نے اس کو وضع حدیث کا مرتکب ٹھہرایا ہے، ایسے ہی تقریب میں ہے، امام ذہبیؒ نے میزان میں فرمایا ہے کہ امام بخاری وغیرہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے اور عبداللہ وصالح بن احمد بن حنبل نے اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ وہ حدیث گھڑتا تھا اور امام نسائی نے فرمایا کہ وہ متروک ہے، بس یہ تمام حدیثیں مجموعی اعتبار سے اس شخص کے خلاف حجت ہیں، جس نے گمان کیا ہے پندرہویں شعبان کی رات کے سلسلہ میں کوئی چیز ثابت نہیں ہے)

دیکھئے مولانا مبارک پوریؒ ابن ماجہ کی حدیث نقل کرکے اس کے راوی پر جو جرح ہے اس کو بھی نقل کرتے ہیں، اس کے باوجود اس حدیث کو دوسری ضعیف حدیثوں کے ساتھ ملاکر حجت بھی قرار دیتے ہیں، کیا موضوع حدیث کو بھی دوسری حدیث کے ساتھ ملاکر حجت بنایا جاسکتا ہے؟ یہ بات کوئی عالم نہیں کہہ سکتا۔

مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوریؒ نے جس طرح اس حدیث کو موضوع نہیں کہا ہے؛ بلکہ صرف ضعیف قرار دیا ہے، اسی طرح منذریؒ نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے، اور چوں کہ اس کو انھوں نے اپنی کتاب ترغیب وترہیب میں ذکر کیا ہے؛ اس لیے وہ حسب تصریح سیوطیؒ موضوع نہیں ہے، سیوطی فرماتے ہیں:

إِذَا عَلِمْتُمْ بِالْحَدِيْثِ أَنَّهٗ فِيْ تَصَانِيْفِ الْمُنْذِرِيْ صَاحِبِ التَّرْغِيْبِ وَالتَّرْهِيْبِ فَأَرْوُوْهُ مُطْمَئِنِّيْنَ. (الرحمة المرسلة فی شان حدیث البسملة:۱۵)

ترجمہ: جب تمہارے علم میں یہ بات آجائے کہ کوئی حدیث منذریؒ صاحب ترغیب وترہیب کی تصنیفات میں موجود ہے تو اس کو اطمینان سے بیان کرسکتے ہو؛ یعنی یہ کہ وہ موضوع نہیں ہے۔

اب تک ہم نے یہ بیان کیا ہے کہ یہ حدیث موضوع نہیں ہے اوراس کو موضوع قرار دینا جہالت ہے، ہاں وہ ضعیف ضرور ہے؛ مگراس کا ضعف اس پرعمل کرنے سے مانع نہیں ہے۔

حافظ ابن عبد البرؒ نے کتاب العلم میں یہ حدیث روایت کی ہے:

مَنْ بَلَغَهٗ عَنِ اللّٰهِ فَضْلٌ فَأَخَذَ بِذٰلِكَ الْفَضْلَ الَّذِيْ بَلَغَهٗ أَعْطَاهُ اللّٰهُ تَعَالىٰ مَا بَلَغَهٗ وَإِنْ كَانَ الذي حَدَّثَهٗ كَاذِباً.

ترجمہ: جس کسی کو کسی کام پر کسی ثواب کی اطلاع ملے اور وہ اس پر کاربند ہوجائے تو اللہ تعالیٰ اس کو وہ ثواب دے دے گا، جس کی اس کو اطلاع پہونچی ہے، اگرچہ جس نے بیان کیا ہے وہ جھوٹا ہو۔

حافظ ابن عبد البرؒ اس کو روایت کرکے فرماتے ہیں کہ:

اس حدیث کی اسناد ضعیف ہے؛ اس لیے کہ ابو معمر عباد بن عبداللہ اس کا تنہا بیان کرنے والا ہے اور وہ متروک راوی ہے، مگر اہل علم اپنی جماعت کے ساتھ فضائل (ثواب کے کاموں) کے باب میں بہت ڈھیل دیتے ہیں اور ہر طرح کے راویوں سے روایت کرلیتے ہیں، وہ تو بس احکام (حلال وحرام) کی حدیثوں میں سختی سے کام لیتے ہیں۔

خطیب بغدادیؒ نے کتاب الکفایہ میں امام احمدؒ وغیرہ ائمہ حدیث کا قول نقل کیا ہے: إذَا رَوَيْنَا فِي الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ شَدَّدْنا وإذا رَوَيْنَا فِى الْفَضَائِلِ تَسَاهَلْنَا.

(ترجمہ: جب ہم حلال وحرام کے باب میں حدیث نقل کرتے ہیں تو پوری احتیاط سے کام لیتے ہیں اور جب فضائل کے باب میں روایت کرتے ہیں تو سہولت برتتے ہیں)

اور یہی بات امام نوویؒ اور حافظ عراقیؒ وغیرہ نے وضاحت کے ساتھ لکھی ہے، امام نوویؒ نے لکھا ہے: "يَجُوْزُ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيْثِ التَّسَاهُلُ فِى الْأَسَانِيْدِ الضَّعِيْفَةِ وَرِوَايَةِ مَا سِوىٰ الْمَوْضُوْعِ مِنَ الضَّعِيْفِ وَالْعَمَلُ بِهٖ مِنْ غَيْرِ بَيَانِ ضُعْفِهٖ فِىْ غَيْرِ صِفَاتِ اللّٰهِ وَالأَحْكَامِ. (تدریب الراوی:۱۹۶)

ترجمہ: اہل حدیث کے نزدیک ضعیف سندوں میں تساہل برتنا اور موضوع کو چھوڑ کر ضعیف حدیثوں کو روایت کرنا اوران پر عمل کرنا ان کا ضعف بیان کیے بغیر جائز ہے؛ مگر

اللہ کی صفات اور احکام کی حدیثوں میں ایسا کرنا جائز نہیں ہے“۔

دستخط:
حبیب الرحمٰن الاعظمی

مہر:
المعهد العالی للدراسات العُلیا
پٹھان ٹولہ، مئوناتھ بھنجن، اعظم گڑھ

نوٹ: نیز دیکھئے: شبِ براءت کی شرعی حیثیت (۶ تا ۱۰)

فتویٰ حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ

مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تاریخ: ۳۰؍ستمبر ۱۹۸۰ء بروز سہ شنبہ (استفتاء نمبر: ۱۰۱۱/ب)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مندرجہ ذیل مسئلہ میں علمائے تحقیق کی کیا رائے ہے؟

شعبان کی ۱۵؍تاریخ یعنی (شب براءت) کو روزہ رکھنا ہم مستحب سمجھتے ہیں اور آج تک امت کا ایک بڑا طبقہ اس پر عمل کرتا چلا آرہا ہے؛ مگر ایک غیر مقلد عالم اس روزہ کو بدعت اور معصیت قرار دیتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ شعبان کی ۱۳، ۱۴؍تاریخوں کے ساتھ ۱۵؍تاریخ کو اگر ملاکر تین روزے ایام بیض کے بنالیے جائیں تو درست ہے ورنہ صرف ۱۵؍تاریخ کا ایک روزہ ممنوع اور بدعت ہے۔ مشکوۃ شریف: ص:۱۱۵ (اصح المطابع) پر حضرت علیؓ سے جوان الفاظ کے ساتھ روایت آئی ہے: ”إذا كانتْ ليلةُ النصفِ مِنْ شعبانَ فَقُومُوْا لَيْلَهَا وَصُومُوْا يَوْمَهَا الخ“ اورصاحب مشکوۃ نے اس روایت کو ابن ماجہ سے لیا ہے، اس روایت کو غیر مقلد عالم موضوع بتاتے ہیں اور دلیل میں ترمذی کے شارح مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوریؒ (یہ خود بھی غیر مقلد تھے) کی تصنیف ”تحفۃ الاحوذی“ کی (۲/۵۳) پر آئی ہوئی عبارت پیش کرتے ہیں: ”وَفِیْ سَنَدِهٖ أَبُوْبَكْرِ بْنُ عَبْدِاللهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِيْ سَبْرَةَ الْقَرَشِيِّ الْعَامِرِيِّ الْمَدَنِيِّ قِيْلَ اسْمُهٗ عَبْدُاللهِ وَقِيْلَ مُحَمَّدٌ وَقَدْ يُنْسَبُ إِلیٰ جَدِّهٖ رَمَوْهُ بالوَضْعِ“ اور فرماتے ہیں کہ حضرت علی والی روایت (فی فضيلة صوم شعبان) میں ابوبکر بن عبداللہ راوی واضع الحدیث تھا؛ اس لیے یہ روایت موضوع ٹھہری، پس شب براءت کا روزہ ثابت بالحدیث نہیں ہے؛ اس لیے یہ روزہ بدعت

ہے، اب دریافت طلب امور یہ ہیں کہ: (۱) شب براءت کا روزہ کیا بدعت ہے؟ (۲) روایت مذکورہ موضوع ہے یا ضعیف؟ (۳) ضعیف اور موضوع روایتوں کا اعمال میں کیا حکم ہے؟ (۴) ابوبکر بن عبداللہ راوی کیا متفق علیہ واضع الحدیث تھے؟ (۵) تحفۃ الاحوذی کی تحقیق کیا صحیح ہے؟

بینوا وتوجروا، والسلام المستفتی:

عبدالرحیم صدیقی، فاضلِ دیوبند

(موجودہ استاذِ تفسیر دارالعلوم دیوبند)

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

محترمی..................................زِیْدَ احترَامُہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الجواب: حامدًا ومصلیاً: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث مرفوع صاحب مشکوٰۃ نے بحوالہ ابن ماجہ نقل کی ہے، حافظ منذریؒ نے بھی الترغیب والترہیب میں بصیغۂ تمریض اس کو ذکر کیا ہے۔ درمنثور میں بیہقی کی شُعَبُ الایمان کا بھی حوالہ موجود ہے، ابوبکر ابن عبداللہ بن محمد بن ابی سبرہ بالاتفاق ضعیف ہیں؛ اگرچہ اہلِ رجال نے ان کے حق میں بلند کلمات بھی لکھے ہیں، جیسا کہ تاریخ خطیب بغدادیؒ میں ان کے تفصیلی ترجمہ کے ضمن میں موجود ہیں اور شیخ محمد طاہر پٹنیؒ نے ان کو قاضی العراق لکھا ہے؛ لیکن تعدیل وتوثیق کے اصطلاحی الفاظ ان کے بارے میں نہیں ملتے، بعض نے تضعیف کی ہے، بعض نے نسبت الی الوضع بھی کی ہے۔ ابن ماجہ کی جن روایات کو موضوع قرار دیا گیا ہے، اس فہرست میں اس حدیث کو شمار نہیں کیا گیا، حدیث شریف میں ماہ شعبان میں کثرت سے روزے رکھنے کا ثبوت ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو درمنثور، تفسیر سورۂ دخان۔ پس اس روزہ کو فرض یا واجب یا سنتِ مؤکدہ قرار نہیں دیا جاسکتا، نہ اس کو بدعت کہا جاسکتا ہے۔ روایاتِ موضوعہ کے سلسلہ میں جو کتب احقر کے پاس ہیں، ان میں یہ روایت مذکور نہیں؛ پس اس کو حتمی طور پر موضوع کہنا دشوار ہے، ضعیف روایات باب الفضائل میں قابلِ قبول ہیں؛ جیسا کہ کفایہ، شرح نخبہ، تہذیب وغیرہ میں مذکور ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ:

العبد محمود غفرلہٗ، دارالعلوم دیوبند ۲۹/۱۱/۱۴۰۰ھ

مہر:

دارالافتاء دارالعلوم دیوبند